کھڑی کر دی گئیں اور بجلی بند کر دی گئی اور پائلٹ کو ہدایات دی گئیں کہ طیارہ کو کہیں اور لے جایا جائے۔ جس پر کراچی کے کور کمانڈر اور دیگر اعلیٰ فوجی حکام نے فوری ایکشن کر کے کراچی ایئرپورٹ کو کھلوایا اور وہاں لینڈنگ کے لئے رن وے کو کلیئر کرایا اور اس طرح چیف آف آرمی سٹاف، ان کا عملہ اور طیارہ کے دوسو کے قریب مسافر بہ عافیت کراچی ایئرپورٹ پر لینڈ کر سکے اور آرمی چیف کے سرزمین پاکستان پر اترنے سے قبل ہی آرمی کے ذمہ دار حکام نے وزیراعظم، ان کے ساتھیوں اور اس معاملہ میں شریک دیگر لوگوں کو گرفتار کر لیا اور اس طرح بہت ہی بھاری مینڈیٹ کا دعویٰ کرنے والے اور ریاست کے تمام اہم اختیارات اپنی ذات میں جمع کر لینے والے وزیراعظم میاں نواز شریف گرفتار ہو گئے اور جیل پہنچ گئے۔

فوج...... پاکستان کا ایک اہم دفاعی ادارہ

پاکستان میں بھی افواج پاکستان ایک بہت ہی اہم دفاعی ادارہ ہے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔ بری فوج

2۔ فضائی فوج

3۔ بحری فوج

اس کے علاوہ کشمیری سکاؤٹس، سرحدی اور قبائلی علاقوں میں موجود سکاؤٹس، ملیشیا، رینجرز، یہ سب اس ادارے کی شاخیں ہیں جو ایک ہی کمانڈر کے حکم کی پابند ہیں۔ اس طرح تینوں افواج کے اندر بھی بے شمار چھوٹے بڑے ادارے ہیں جو اس منظّم اور باہم مربوط افواج کے کام میں یکجہتی اور پھرتی کو قائم رکھتے ہیں۔

میاں محمد نواز شریف، اگرچہ فوجی جرنیلوں کے تربیت یافتہ اور ان کے ہاتھوں کے پالے ہوئے سیاست دان ہیں مگر وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے چونکہ بہت ہی زیادہ انا نیت پسند انسان ہیں اس لئے وزیراعظم کی حیثیت سے تمام اختیارات کا رخ اپنی ذات کی طرف موڑ لینے کے بعد وہ تمام اداروں کو اس طرح اپنا تابع بنانا چاہتے تھے کہ وہ جس کے بارے میں اشارہ کریں وہی ہو جائے اور ان سے اختلاف کرنے کا کوئی سوچ بھی نہ سکے۔ انہوں نے اس لئے سردار فاروق لغاری کو عہدہ صدارت سے علیحدہ کرنا چاہا جس میں سید سجاد علی شاہ چیف جسٹس کی حیثیت سے رکاوٹ بن گئے اور انہوں نے وزیراعظم نواز شریف کے خلاف تمام مقدمات کی سماعت کے لئے عدالت میں طلب کر لیا۔ اس میں وزیراعظم

کے خلاف توہین عدالت کے مقدمات کے ساتھ ان کے خلاف بدعنوانی اور نادہندگی کے بھی مقدمات شامل تھے نیز انہوں نے قومی اسمبلی میں کی گئی آئینی ترامیم کے خلاف دائر کی گئی تمام درخواستوں کو بھی تاریخ سماعت دے دی۔ جس روز سماعت تھی اس روز پورے پنجاب میں مسلم لیگی کارکنوں کو اسلام آباد طلب کیا اور کئی ارکان اسمبلی کی قیادت میں ان کارکنوں نے سپریم کورٹ پر حملہ کر دیا۔ ان کا رخ خصوصی طور پر اس کمرہ کی طرف تھا جہاں چیف جسٹس بیٹھے اپنے ساتھی ججوں کے ساتھ نواز شریف کے خلاف مقدمات کی سماعت کر رہے تھے۔ سپریم کورٹ میں موجود چیف جسٹس اور ان کے ساتھیوں نے بھاگ کر اپنے کمروں میں پناہ لی۔ اس موقع پر چیف جسٹس نے صدر لغاری اور فوج کے سربراہ سے مطالبہ کیا کہ ریاستی بدنظمی اور غنڈہ گردی کے خلاف انہیں تحفظ دیا جائے مگر وزیراعظم کی مداخلت پر انہیں کوئی تحفظ نہ ملا اور سپریم کورٹ کے ججوں کے درمیان کی جنگ کا سماں تو پہلے سے ہی برپا تھا ساری دنیا میں پاکستانی سپریم کورٹ کے بارے میں خبریں چھپ رہی تھیں کہ کس طرح یہ جج اپنے ہی ساتھی چیف جسٹس کے خلاف فیصلے دے رہے ہیں اور سپریم کورٹ پر حملہ کے بعد چیف جسٹس کے خلاف ججوں کی کارروائی مزید تیز ہوگئی اور چیف جسٹس سجاد علی شاہ کو فارغ کر دیا گیا۔

ہم نہیں جانتے کہ ان سارے واقعات میں کون کون سے اقدامات قانونی اور آئینی تھے مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ سپریم کورٹ کے ججوں کے مابین ہونے والے اختلافات اور ان کے کئے جانے والے فیصلوں کے متعلق دنیا بھر میں بے شمار قسم کی کہانیاں مشہور ہو رہی تھیں اور ہم ان کہانیوں کو دہرا کر اپنے ملک کی عدلیہ کا مذاق اڑانے کی کبھی جرات نہیں کر سکتے مگر یہ سارے حالات ہیں جو ہم نے جاپان میں پاکستانی اخبارات اور جاپانی اخبارات میں پڑھے۔ چیف جسٹس کے بعد صدر پاکستان سردار فاروق احمد خان لغاری کے خلاف قومی اسمبلی میں کارروائی شروع کی گئی اور وہ مستعفی ہوگئے۔ یہ ایسی خبریں نہیں تھیں جو دنیا کے اخبارات میں مختصر یا چھوٹی چھوٹی چھپتیں یہ پہلے صفحے پر شائع ہوئیں اور ان کے ساتھ پوری سیاسی کہانیاں شائع کی گئیں اور ابھی یہ سب خبریں اور ان کی مابعد تفصیلات چھپ رہی تھیں کہ یہ خبر آ گئی کہ پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف نے اپنے خاندان کے ایک قریبی دوست اور سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج جنہیں پہلے سینٹ کا ممبر بنایا گیا تھا اب پاکستان کا صدر مقرر کر دیا گیا ہے۔ وزیراعظم بھی لاہور پنجاب کا اور صدر بھی پنجابی اور بیرونی اخبارات میں یہ تجزیئے شائع ہونے لگے کہ پنجاب باقی تینوں صوبوں پر حکومت کر رہا ہے۔ اپنی وسیع آبادی، پڑھے لکھے اور ذہین لوگوں کی وجہ سے باقی تینوں صوبے پس ماندہ اور آبادی کے لحاظ سے چھوٹے ہیں اور اس کے چند ہفتے کے بعد یہ خبریں بھی شائع

ہوئیں کہ پاکستان میں تمام اختیارات وزیراعظم نے اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔صدر بے اختیار ہے۔حتیٰ کہ بہت سے عدالتی اختیارات جن میں ارکان اسمبلی کی نااہلیت وغیرہ کے معاملات بھی شامل ہیں وہ بھی وزیراعظم نے لے لئے اور پھر یہ خبریں بھی ہم نے پڑھیں کہ پاکستان میں توہین عدالت کے قوانین کو بہت نرم کر دیا گیا ہے اور وزیراعظم اس قدر طاقتور ہیں کہ ان کی کابینہ کے لوگ ایک چپڑاسی بھی بھرتی نہیں کر سکتے۔وزیراعظم اور پنجاب میں ان کے بھائی وزیراعلیٰ دونوں کے پاس تمام اختیارات ہیں۔ان میں کتنی حقیقت تھی اللہ جانتا ہے مگر دنیا بھر میں یہ خبریں عام تھیں اور پھر ایک روز ہم نے پڑھا کہ پاکستان کے فوجی کمانڈر نے فوجیوں کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے حکومت کو یہ مشورہ دیا تھا کہ حکومت کو ایک قومی سلامتی کونسل بنانی چاہئے جس میں فوج کی بھی مناسب نمائندگی ہو۔اس پر وزیراعظم نواز شریف نے فوجی کمانڈر انچیف کو برطرف کر دیا۔

پاکستانی فوج کے سربراہ جو بھی ہوں نہ صرف ملک کے انتظام وانصرام میں شریک اور دفاع وطن کے ذمہ دار اعلیٰ ترین افسر ہیں اور پھر ان کے ماتحت ایک بہت بڑی آرمی ہے۔اس کا احترام اور مناسب مقام ومرتبہ بہت ضروری ہے اور پھر نواز شریف تو آرمی کے بہت جونیئر افسروں کے ہاتھوں تربیت یافتہ ہیں۔انہیں فوج کے ایک ذیلی شعبہ نے وزیراعظم کے عہدہ کے لئے تیار کیا تھا اور دنیا بھر کے سیاستدانوں کو علم ہے کہ کس ملک میں کس سیاستدان کی کیا حیثیت ہے میں چونکہ جاپان میں اعلیٰ سطح کے ترجمانوں میں سے ایک ہوں اور یہاں دنیا بھر کے سیاستدان آتے رہتے ہیں ان کی باہمی گفتگو خصوصاً پاکستانی اور بھارتی لیڈروں کے منہ سے ہم جو کچھ سنتے رہتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نواز شریف صاحب کو کسی سیاست جماعت کے بجائے ایک ایسا لیڈر سمجھا جاتا تھا جو صرف مسلح افواج کے لئے کام کرتے ہیں مگر انہوں نے فوج کے اعلیٰ حکام کے ساتھ جو رویہ شروع کیا اور جس طرح چیف جسٹس اور صدر پاکستان کے آفس کے ساتھ سلوک کیا اس سے یہ محسوس ہونے لگا کہ یہ صاحب کسی دوسرے مشن پر ہیں۔

جاپان میں مقیم پاکستانی اس بات پر حیران تھے کہ نواز شریف بھارت کے لئے اس قدر زیادہ ملائم اور دوستانہ لب ولہجہ کیوں رکھتے ہیں۔بھارتی لیڈروں کے لئے وہ ہر معاملہ میں ذاتی تعلقات اور دوستی کے الفاظ استعمال کرتے اور بھارتی لیڈروں کی دھمکیوں کے جواب میں انہیں پاکستانی چینی ایک چوتھائی قیمت پر ایکسپورٹ کرنے لگے۔ہم پاکستانی دنیا کے جس کونے میں بھی ہوں ہمارا رابطہ تو پاکستان سے ہمیشہ رہتا ہے۔اس دوران میرا بھارت بھی آنا جانا رہا۔میں نے

دہلی اور بمبئی میں بے شمار دکانوں اور سٹوروں پر پاکستانی بوریوں میں چینی دیکھی، اس کا بھاؤ دریافت کیا دس بارہ روپے کلو اور جب میں پاکستان آتا تو اسی چینی کو یہاں بیس اور چوبیس روپے کلو بکتے دیکھتا۔ میں حیران تھا کہ یہ کیوں ہے پھر مجھے پتہ چلا کہ بھارت کو چھ روپے کلو چینی بیچ کر اس پر چھ روپے کلو سب سڈی ربیبیٹ حکومت پاکستان سے لے رہے ہیں اور میں نے جب ایک بھارتی وزیر سے جاپان میں آف دی ریکارڈ گفتگو کرتے ہوئے پوچھا کہ پاکستانی چینی کے بدلے آپ لوگ اب تک کتنے ڈالر کی ادائیگی کر چکے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ نہیں ہم مال کے بدلے دیگر اشیاء دے رہے ہیں۔ میں اس بات پر حیران ہوا کہ پاکستان کی بنی ہوئی چینی پاکستان کے عوام کے لئے اتنی مہنگی اور بھارتی عوام کو چینی اتنی سستی دینے کی قیمت بھی ہم پاکستانی ادا کر رہے ہیں اور بھارت سے اس کے بدلے ہم ڈالر بھی نہیں لے رہے تو پھر کیا لے رہے ہیں؟ پاکستان کے عوام کا یہ حق ہے کہ انہیں یہ معلوم ہو کہ پاکستان نے چینی کے بدلے بھارت سے کیا حاصل کیا؟

وزیر اعظم پاکستان نے چیف جسٹس آف پاکستان، صدر پاکستان اور اس کے بعد ایک آرمی چیف کو فارغ کیا اس عمل سے نہ معلوم ان کے دفاع میں اپنی طاقت کے بارے میں کیا تصورات جنم لیتے رہتے کہ صدر بے اختیار، تمام وفاقی وزراء بے اختیار، پنجاب کے علاوہ باقی تمام صوبوں کے وزراء اعلیٰ بھی بے اختیار تھے۔ وزیر اعظم نواز شریف کی اجازت کے بغیر پاکستان کے ماحول میں ایک پتہ بھی نہ ہل سکتا تھا۔ ایسے حالات میں کارگل کا ایشو نکل آیا۔ پاکستان کے کشمیری مجاہدین کے ساتھ تعلقات یقیناً ہیں کیونکہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کشمیر سے تمام پاکستانی دریا نکلتے ہیں۔ کشمیر سے اگر ہمارے دریاؤں کے راستے بند کر دیتے ہیں تو پاکستان خشک صحرا بن جائے گا۔ کشمیر پاکستان کا قدرتی اور لازمی حصہ ہے۔ اندرون خانہ کارگل کی جھڑپوں جو کہ مجاہدین کشمیر اور بھارتی فوجوں کے درمیان ہو رہی تھیں کا الزام بھارت نے پاکستان کی فوج پر ڈال دیا۔ میاں نواز شریف کی حکومت اس تنازع کو لے کر فوج کی باز پرس کرنا چاہتے تھے مگر فوج نے اس سلسلہ میں مناسب جواب دے دیا۔

حکمرانوں کے خلاف دنیا کے مشہور مقدمے

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کہا تھا کہ ''آج تک دنیا کی سب سے زیادہ زیادتیاں اور ظلم عدالتوں کے کٹہروں میں ہوئے ہیں۔'' اور انھوں نے ملزم کی حیثیت سے ایک عدالت کو خطاب کرتے ہوئے جج کو کہا ''تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کر رہے ہیں اور تاریخ کو اپنا فیصلہ خود لکھنے دو۔''

تاریخ شاہد ہے کہ انگریز کی حکومت غائب ہوگئی اوران ججوں کے نام بھی مٹ گئے مگران کی عدالتوں میں ملزم کی حیثیت سے پیش ہونے والے تاریخ میں انمٹ سنگ میل کی حیثیت سے آج بھی زندہ و جاوید ہیں۔معلوم تاریخ میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پہلے ''ملزم'' تھے جنہیں ایک رومن عدالت نے یکطرفہ اور متعصّبانہ فیصلہ کے تحت سزائے موت دی۔عدالت اس کے جج، جیوری کے ارکان اور دعوے کرنے والے سب مٹ گئے ہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام آج بھی لوح محفوظ پر چمک رہا ہے۔آج ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے چند معروف مقدمات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو اپنی سیاسی اور معاشرتی اہمیت کی وجہ سے عالمی شہرت کے حامل ہوئے اور طویل عرصہ تک تاریخ انہیں اپنے صفحات سے معدوم نہ کر سکے گی۔ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقدمہ، تاریخ میں محفوظ ہے اور دنیا کی سب سے مقدس کتاب قرآن حکیم میں بھی مذکور ہے۔معلوم تاریخ کے مطابق اس سے قبل بھی ایک مقدمہ یونان کی عدالت میں پیش ہوا۔جس میں سقراط پر کچھ الزامات عائد کئے گئے۔سقراط کا دعویٰ تھا کہ وہ معاشرہ کی اصلاح کر رہے ہیں اور نئی نسل کو نئی تعلیم اور نئے عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کا علم سکھا رہے ہیں مگر اس وقت معاشرے کے بااختیار بڑے لوگوں کو سقراط کی تعلیم، ان کے فلسفہ اور علوم کی ترویج سے سخت اختلاف تھا اور انہیں کہا گیا کہ وہ سزائے موت کے حقدار ہیں، معافی مانگ لیں یا زہر کا پیالہ پی کر موت کی نیند سو جائیں۔سقراط کے دوست احباب اور شاگردوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ معافی مانگ لیں تاکہ وہ اپنے احباب کے درمیان موجود تو رہیں مگر سقراط نے کہا کہ وہ زہر کا پیالہ پی کر بظاہر مر جائیں گے مگر تاریخ کے صفحات میں وہ ہمیشہ اپنے نظریات و خیالات کے حوالے سے زندہ و جاوید رہیں گے اور ان کا یہ فیصلہ غلط نہ تھا۔تاریخ میں سقراط اپنے نظریات، خیالات اور فلسفہ سمیت زندہ و جاوید ہے۔دنیا کے مشہور مقدمات میں ایک مقدمہ برطانیہ کے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم پر برطانوی پارلیمینٹ میں چلایا گیا کہ انہیں ایک بیوہ خاتون مسز سمپسن سے عشق ہوگیا تھا اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔برطانوی روایات اور رائج رسومات کے تحت بادشاہ کسی بیوہ خاتون سے شادی نہیں کرسکتا تھا، مگر برطانوی بادشاہ مصر تھے کہ وہ اپنے عشق کو تاج برطانیہ سے زیادہ وقیع خیال کرتے ہیں۔برطانوی پارلیمنٹ نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ ایسی سلطنت کے بادشاہ ہیں جس پر سورج غروب نہیں ہوتا اور اس وقت دنیا میں برطانوی اقتدار نصف انہار پر تھا۔اس لئے وہ تاج برطانیہ کے ساتھ وابستہ روایات کا احترام کرتے ہوئے اپنے عشق کا باب بند کردیں مگر ایڈورڈ ہفتم نے تاج برطانیہ سے محرومی قبول کرتے ہوئے بادشاہ کا عہدہ چھوڑ دیا اور اپنی محبوبہ مسز سمپسن سے شادی کر لی۔ان کے مقدمہ کی

کارروائی اوران کے فیصلہ کوساری دنیا میں وسیع پیمانہ پر پڑھااور سنا گیا۔لوگوں کے لئے یہ بہت دلچسپی کا باعث تھااور آج بھی اس واقعہ کوایک خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

1962ء میں بھی ترکی کے ایک سیاسی رہنمااور سابق وزیراعظم مسٹرعدنان پرطویل مقدمہ چلایا گیاجس کی مکمل تفصیلات پوری دنیا میں اشاعت پذیر ہوتی رہیں۔ بالآخر مسٹرعدنان مندریس کوسزائے موت دے دی گئی۔ان پران کے اپنے ملک کے اندرمختلف الزامات کے تحت مقدمہ چلایا گیا تھا۔دنیا میں آج ان کے الزامات اورججوں کے نام اور فیصلہ سب مٹ چکے ہیں مگرعدنان مندریس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

74-1973 میں امریکہ کے صدررچرڈنکسن پرالزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے اپنی مخالف سیاسی پارٹی کے صدر دفتر''واٹرگیٹ''میں راز جاننے کی غرض سے ٹیپ کرنے کے آلات نصب کرائے تھے۔مسٹررچرڈنکسن کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ انہیں اس واقعہ کاعلم تھا،مگرانہوں نے بار باراس ساری کارروائی سے آگاہ نہ ہونے کااعلان کیامگر بعد کی شہادتوں نے یہ ثابت کردیا کہ وہ جھوٹ بول رہے تھے انہیں اس کارروائی کے بارے میں معلوم تھا۔امریکی عوام نے کہا کہ وہ یہ بات برداشت نہیں کرسکتے کہ ان کا صدرایک جھوٹا شخص ہواور رچرڈنکسن جودوسری دفعہ امریکہ کے صدر منتخب ہوئے تھےعوام کے اس فیصلہ کے احترام میں اپنے عہدہ جلیلہ سے مستعفی ہونے پرمجبور ہوگئے۔

بھارت کی مقبول ترین وزیراعظم مسزاندراگاندھی نے جب بھارت میں ایمرجنسی کا نفاذ کیا تو بھارت میں ان کے خلاف شدیداحتجاج کی لہر دوڑگئی اور عام انتخابات میں وہ بری طرح ہار گئیں۔تقریباً سولہ برس وزیراعظم رہنے والی اندراگاندھی پر1978ء میں اس سلسلہ میں ایک عام مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیاجس کی تفصیلات دنیا بھر کے اخبارات میں رپورٹ ہوتی رہیں اوراس مجسٹریٹ نے انہیں جمہوری حقوق غصب کرنے کے الزام میں سزائے قیددی۔ساری دنیامیں اس مقدمہ کی کارروائی کودلچسپی سے پڑھا گیا۔اندراگاندھی چندروزجیل میں رہ کرضمانت پر رہا ہوگئیں اور اس کے دواڑھائی سال بعد پھروزیراعظم بن گئیں۔

4اپریل1979ء کو پاکستان کے سابق صدروزیراعظم اور پہلے سول چیف مارشل لاایڈمنسٹریٹرمیر ذوالفقار علی بھٹوکو پھانسی دے دی گئی۔اس وقت کی مارشل لاحکومت کی طرف سے ایک پرانی ایف آئی آر جونواب محمداحمدخان کے قتل کے سلسلہ میں لکھی گئی تھی،کے سلسلہ میں لاہور ہائیکورٹ میں مقدمہ چلایا گیا کہ وزیراعظم کی حیثیت سے ذوالفقارعلی

بھٹو نے اپنی پارٹی کے ایک ایم این اے احمد رضا قصوری کو قتل کرانے کے لئے فیڈرل سکیورٹی فورس کے اعلیٰ حکام کے ساتھ سازش کی اور لاہور شادمان کالونی میں ایک شادی کی محفل سے جب احمد رضا قصوری ایم این اے اپنے والد اور دیگر اہل خانہ کے ساتھ نکلے تو ایف ایس ایف کے اہلکاروں نے ان پر فائرنگ کی جس میں احمد رضا قصوری تو بچ گئے مگر ان کے والد اس فائرنگ کی زد میں آ گئے اور موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ احمد رضا قصوری جو پیشہ کے اعتبار سے وکیل اور قومی اسمبلی کے رکن تھے انہوں نے تھانہ اچھرہ میں پرچہ درج کرایا کہ ان پر یہ قاتلانہ حملہ وزیراعظم کی ہدایت پر کیا گیا جس میں ان کے والد ہلاک ہو گئے اس میں کچھ مزید افراد کے نام بھی تھے۔ یہ پرچہ درج کر کے پولیس نے ایف آئی آر سیل کر دی اور جب بھٹو وزیراعظم نہ رہے اور ان کی پیپلز پارٹی کی حکومت ختم ہو گئی اور ملک میں جنرل ضیاالحق نے مارشل لا نافذ کر دیا۔ اس وقت اس مقدمہ کی بازگشت سنی گئی اور ابتدائی تحقیق و تفتیش کے بعد یہ مقدمہ لاہور ہائی کورٹ کے پانچ ججوں پر مشتمل فل بنچ کے سامنے پیش ہوا۔ روٹین کے مطابق یہ مقدمہ مجسٹریٹ کی عدالت سے سیشن کورٹ میں آنا چاہئے تھا مگر ہائیکورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی غیر معمولی مقدمہ کا سیشن ٹرائل خود سن سکتی ہے۔ اس لئے ہائیکورٹ کے قائم مقام چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین نے اپنی سربراہی میں فل بنچ تشکیل دے کر اس کی سماعت کا فیصلہ کیا۔

ذوالفقار علی بھٹو کے وکلاء نے فاضل عدالت کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ انہیں اس فل بنچ اور خصوصاً بنچ کے سربراہ مسٹر جسٹس مولوی مشتاق پر اعتماد نہیں ہے کیونکہ وہ مسٹر بھٹو کے ساتھ ذاتی پرخاش رکھتے ہیں مگر مولوی مشتاق حسین نے عدم اعتماد کے سلسلہ میں کئے گئے تمام اعتراضات کو مسترد کرتے ہوئے خود سماعت جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ جس پر مسٹر بھٹو نے عدالت عالیہ کی کارروائی کا بائیکاٹ کر دیا اور اپنے وکلاء کو پیروی سے روک دیا۔ جس پر فاضل عدالت نے مسٹر بھٹو کے وکلاء کو عدالتی حکم کے ذریعہ پابند کر دیا کہ وہ سرکاری خرچ پر مسٹر بھٹو کے وکلاء صفائی کے طور پر اپنا کام جاری رکھیں۔ اس دوران لاہور ہائیکورٹ نے اپنی تاریخ میں پہلی دفعہ مقدمہ کی ریکارڈنگ کی روایت کا آغاز کیا۔ ریکارڈنگ کا بٹن چیف جسٹس کے ہاتھ میں تھا جس چیز کو وہ چاہتے ریکارڈ ہوتی اور جس چیز کو وہ غیر ضروری خیال کرتے ریکارڈ نہ ہوتی۔ فاضل عدالت نے پہلی دفعہ سماعت کے دوران مسٹر بھٹو کے لئے بڑے ملزم کی اصطلاح استعمال کی اور عدالت میں بڑے ملزم کے لئے ایک خصوصی کٹہرا بنایا گیا جس میں مسٹر بھٹو کو بٹھایا جاتا اور وہ عدالت کی خصوصی اجازت کے بغیر کسی سے بات نہ کر سکتے اور نہ ہی اپنے وکیل کو ہدایت دے سکتے، جس پر مسٹر بھٹو نے شدید احتجاج کیا مگر یہ احتجاج مسترد کر دیا گیا۔ اس

دوران مسٹر بھٹو پر جرح اور کچھ خاص موضوعات پر ان کا بیان فاضل عدالت نے بند کمرہ میں ریکارڈ کیا جس پر پیپلز پارٹی کے حلقوں نے احتجاج کیا مگر ان کا یہ احتجاج بھی مسترد کر دیا گیا۔

ستمبر 1977ء میں اس کیس کی سماعت شروع ہوئی تھی اور 18 مارچ 1978ء کو لاہور ہائی کورٹ کے فل بنچ نے سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ایف ایس ایف کے متعلقہ افسروں اور فائرنگ کرنے والے چاروں افراد کو سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ جس پر سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ اس دوران مسٹر بھٹو کو سپریم کورٹ میں پیش ہونے کا موقع دیا گیا۔ انہوں نے سپریم کورٹ کے فل بنچ پر اظہار اعتماد کرتے ہوئے کہا کہ مجھے عدالت کے انصاف پر اعتماد ہے۔ اگر عدالت مجھے پھانسی بھی لگا دے تو مجھے کوئی رنج نہ ہوگا۔ سپریم کورٹ میں سماعت کے دوران ایک جج ریٹائر ہو گئے اور دوسرے جج اپنی علالت کی وجہ سے ملازمت سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ اس طرح نو ججوں کا بنچ صرف سات ججوں پر مشتمل رہ گیا اور سپریم کورٹ نے مارچ 1979ء میں مسٹر بھٹو کو سزائے موت دینے کا ہائی کورٹ کا فیصلہ بحال رکھا۔ اس سے سپریم کورٹ کے تین فاضل ججوں نے اختلاف کرتے ہوئے مسٹر بھٹو کو بری کرنے کا حکم دیا جبکہ چار ججوں نے سزائے موت بحال رکھی۔ سزائے موت دینے والے چاروں ججوں کا تعلق پنجاب سے تھا، جبکہ رہائی کا فیصلہ دینے والے دو جج سندھ او ایک جج پشاور سے تعلق رکھتے تھے۔

سری لنکا کی سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس راجہ رتنم نے مسٹر بھٹو کے کیس کے حوالے سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ''جوڈیشری ان کرائسس'' اس کتاب میں راجہ رتنم نے اس فیصلہ کے ہر پہلو کا جائزہ لیا اس فیصلہ، مقدمہ کے دوران حالات، استغاثہ اور صفائی کے تمام دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے استغاثہ کی کارروائی اور صفائی کے وکلاء کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس مقدمہ کے دوران بنچ نے بہت سے حقائق کو نظر انداز کیا اور مقدمہ کی کارروائی اس طرح نہیں چلائی گئی کہ انصاف کے تقاضے پورے ہو سکتے، انہوں نے صفائی کے وکلاء کی کارکردگی پر بھی عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شاید یہ فاضل عدالت کی طرف سے صفائی کے وکلاء پر بہت زیادہ دباؤ کا نتیجہ ہے۔

چیف جسٹس (ر) راجہ رتنم نے سپریم کورٹ کے ججوں کے رویہ کا بھی تجزیہ کیا ہے۔ نو ججوں کا بنچ سات ججوں پر مشتمل رہ گیا اور یہاں بھی چار ججوں کے فیصلہ کو اگرچہ مکمل سیاسی رنگ دے دیا گیا تھا لیکن سپریم کورٹ کے ججوں کو بخوبی علم تھا کہ یہ ایک قتل کا مقدمہ ہے جس کے نتیجہ میں پھانسی کی سزا دی جائے گی۔ (ایک فرد کو یا چھ سات افراد کو) اس لئے اس

کیس پر زیادہ توجہ دینے اور غور کرنے کی ضرورت تھی۔ سپریم کورٹ چونکہ انصاف فراہم کرنے کے لئے کسی قانون اور ضابطہ کا بھی پابند نہیں ہے اس نقطہ نظر سے سپریم کورٹ پر الزام تھا کہ ہائی کورٹ کے فیصلہ اور اس کی خامیوں پر غور کرنے کی ضرورت تھی مگر یہ نہیں کیا گیا بلکہ سپریم کورٹ یہ بھی آرڈر کرسکتی تھی کہ ہائی کورٹ کا کوئی دوسرا بنچ اس کیس کی دوبارہ از سر نو سماعت کرے، مگر سپریم کورٹ نے ہائیکورٹ کے فیصلہ پر نظر ثانی کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ راجہ رستم نے مجموعی طور پر اس فیصلہ اور اس پر عملدرآمد کرتے ہوئے بھٹو کو پھانسی کی سزا دینے سے اختلاف کیا ہے۔ بھٹو کے خلاف مقدمہ کی کارروائی سننے کے لئے دنیا بھر سے اہم وکلاء، حقوق انسانی کے ماہرین آئے۔ انہوں نے مقدمہ کے انداز اور ججوں کے رویہ پر کڑی تنقید کی اور آج بھی اسے ایک مشکوک فیصلہ سمجھا جاتا ہے۔

1982-83 میں ایران کی انقلابی حکومت کے نوجوان، ذہین، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہت اچھے بین الاقوامی مقرر، ڈاکٹر صادق قطب زادے پر غداری کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ ڈاکٹر صادق قطب زادے طویل عرصہ تک امام خمینی کے ساتھ فرانس میں مقیم رہے۔ ان کے خصوصی شاگرد کے طور پر جانے جاتے اور ان کے ترجمان کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے، یکا یک ان کے خلاف مقدمہ شروع ہوا اور کہا گیا کہ وہ امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ ہیں۔ ان پر طویل مقدمہ چلایا گیا جو ایران کی ایک انقلابی عدالت کے سامنے پیش تھا۔ صادق قطب زادے کے خلاف چلنے والے اس مقدمہ کی مکمل کارروائی ساری دنیا کے اخبارات میں شائع ہوتی رہی۔ صادق کو بچانے کے لئے دنیا بھر کی حکومتوں نے ایرانی حکومت سے اپیل کی مگر انقلابی عدالت کے حکم پر انہیں گولی ماردی گئی۔

اس زمانہ میں ایران کی انقلابی حکومت نے ایران کے سابق وزیر اعظم امیر عباس ہویدا پر غداری کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ امیر عباس ہویدا تقریباً پچیس برس تک شاہ ایران کی کابینہ میں وزیر تعلیم اور دیگر محکموں کے وزیر کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد بارہ برس تک وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز رہے۔ امیر عباس ہویدا کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ تہران یونیورسٹی میں عالمی تعلقات اور سیاسیات کے پروفیسر تھے۔ وزیر اعظم کی حیثیت سے بھی جب وہ تہران میں موجود ہوتے یونیورسٹی میں اپنے طلباء کو پڑھانے کے لئے ضرور جاتے۔ ان کے بارے میں ایرانی حلقوں کا کہنا تھا کہ وہ ایک بہت صاف ستھرے کردار کے انسان تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے فروغ کے لئے انہوں نے ایرانی عوام کی بے پناہ خدمات سرانجام دیں اور شاہ ایران کے زمانہ میں انہوں نے پوری کوشش کی کہ ایران میں تعلیم عام ہو اور ہر شخص کو کوئی سرمایہ خرچ کئے بغیر

محنت سے تعلیم حاصل کرنے کے مواقع دیئے جائیں۔ آج بھی ایران میں تعلیم کا اعلیٰ معیار اور خواندگی کا معیار ان ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔

امیر عباس ہویدا پر انقلابی حکومت کو صرف یہی اعتراض تھا کہ وہ انقلاب مخالف قوتوں کے ساتھ چمٹ کر انقلاب کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ دنیا بھر میں امیر عباس ہویدا کے خلاف مقدمہ کی کارروائی چھپتی رہی اور دنیا کے ممتاز رہنماؤں نے ان کی سزائے موت کے خلاف رحم کی اپیلیں پیش کیں مگر ایرانی حکومت نے امیر عباس ہویدا کو سزائے موت دینے کے فیصلہ پر عمل کر لیا اور اس طرح ایک صاحب علم شخصیت مر گئی، مگر دنیا بھر کے صاحب علم اور تاریخ کے صفحات پر زندہ لوگوں کی فہرست میں ان کا نام زندہ رہے گا۔

1997ء میں امریکی صدر بل کلنٹن کے بارے میں انکشاف ہوا کہ انہوں نے۔ وہائٹ ہاؤس کی ایک ملازمہ مونیکا لیونسکی جو کہ ایک نہایت ہی خوبصورت یہودی نوجوان لڑکی تھی کے ساتھ تعلقات استوار کر رکھے ہیں اور وہ اسے تحفے تحائف بھی دیتے رہتے تھے، اور دونوں وہائٹ ہاؤس کے دفاتر میں ہی یہ رنگ رلیاں مناتے رہے ہیں یونہی اس سلسلہ میں مختلف حلقوں سے بیانات اور الزامات کا سلسلہ شروع ہوا مونیکا کو وہائٹ ہاؤس کی ملازمت سے فارغ کر دیا گیا اس سکینڈل کا جب امریکی اخبارات میں شور و غوغا بہت زیادہ ہونے لگا تو امریکی محکمہ قانون نے اس سلسلہ میں ایک وکیل کو ایک خصوصی عدالت کا جج مقرر کر کے اس مقدمہ کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس عدالت نے ایک خصوصی پراسیکیوٹر کو اس مقدمہ کی چھان بین اور شہادتیں اکٹھی کرنے پر مامور کر دیا اور اس مقدمہ کی سماعت شروع کر دی۔ یہ مقدمہ بلاشبہ اس صدی کا منفرد اور عجیب و غریب مقدمہ تھا جس نے امریکہ اور مغربی ممالک میں پرورش پانے والی نئی تہذیب و معاشرت کا رہا سہا پردہ بھی چاک کر دیا۔ امریکی سوسائٹی کے با اختیار لوگ خصوصاً امریکی صدر کا ادارہ اپنی بداعمالیوں سمیت بے نقاب ہو گیا اور وکلاء نے یہ ثابت کر دیا کہ امریکی صدر بل کلنٹن اس خاتون کے ساتھ بدمستیوں میں ملوث رہے ہیں۔ اس مقدمہ کے کئی پہلو ہیں جن میں سے سب سے متاثر کن پہلو یہ ہے کہ امریکی سوسائٹی اخلاقی لحاظ سے بے شک بہت زیزدہ تنزلی کا شکار ہے اور بڑے سے بڑے امریکی لیڈر کا بھی کوئی اخلاقی معیار نہیں ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کارروائی سے یہ ثابت ہو گیا کہ امریکی سوسائٹی اس وقت اگر پوری دنیا پر حکومت کر رہی ہے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہاں انصاف کا عمل بڑا طاقتور ہے۔ یہ لوگ اپنی بدمعاشی اور بددیانتی کے باوجود اپنے اندر کچھ حد تک احتساب کے عمل کو آزاد اور بہت طاقتور

رکھے ہوئے ہیں۔اس کا عملی مظاہرہ اس طرح بھی ہوا کہ امریکی صدر بل کلنٹن کو اس عارضی عدالت کے سربراہ نے جب عدالت میں طلب کیا تو صدر کلنٹن اپنے وکیل کے ساتھ خود عدالت میں پیش ہوئے۔ان پر دو روز تک چھ سات گھنٹے طویل جرح کی گئی جس میں انھوں نے اعتراف کیا کہ مونیکا کے ساتھ ان کے مراسم تھے اور کس حد تک تھے اور انہوں نے عدالت سے اور امریکی عوام سے معافی طلب کی کہ انہوں نے ابتداء میں گھبراہٹ کی وجہ سے اس کا اعتراف نہ کیا۔صدر کلنٹن کے اس اعتراف جرم کے ساتھ امریکی عوام کی طرف سے انہیں یہ اعتراف کر دینے پر معاف کر دیا گیا۔صدر کلنٹن نے ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ عوام سے معافی مانگی۔

1998ء میں ملائیشیا کے مایہ ناز ماہر معاشیات ڈاکٹر انور ابراہیم کو نہ صرف گرفتار کر لیا گیا اور ان پر کچھ اخلاقی اور معاشی بدعنوانیوں کے الزامات کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔انور ابراہیم ابھی تک ملائیشیا کی کسی جیل میں ہیں ان کے خلاف مقدمہ کی کارروائی میں ساری دنیا کے ذرائع ابلاغ نے غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے اور اب تک ڈاکٹر انور ابراہیم کے بارے میں دنیا بھر میں اتنا کچھ چھپ چکا ہے کہ اس سے کئی کتابیں مرتب ہو سکتی ہیں اور اس سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر انور ابراہیم کی زندگی اور سزا کے ایک ایک لمحہ پر پوری دنیا کی نظریں بندھی ہوئی ہیں اور ان سے کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی۔

آخر میں ہم پاکستان کے سابق وزیراعظم میاں نواز شریف پر چلنے والے طیارہ کیس کا تذکرہ کریں گے۔اس مقدمہ کی بنیاد 12 اکتوبر 1999ء کو سابق وزیراعظم کے ان مبینہ اقدامات کو بنایا گیا ہے جو انہوں نے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف اور جائنٹ چیفس سٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل پرویز مشرف کے طیارہ کو کراچی ایئرپورٹ پر لینڈ نہ کرنے دینے کے متعلق مبینہ طور پر جاری کئے تھے۔سابق وزیراعظم نواز شریف اور ان کے وکلاء کا موقف یہ ہے کہ اس قسم کے کوئی احکامات جاری نہیں کئے گئے مگر استغاثہ نے اس وقت اعلیٰ سرکاری عہدوں پر متعین اعلیٰ سرکاری حکام کو سرکاری گواہ بنا لیا ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں بہت سے اقدامات کے سلسلہ میں میاں نواز شریف کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ یہ مقدمہ اس وقت ساری دنیا کے کروڑوں لوگوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہے اور اس مقدمہ کے فیصلہ پر ہی پاکستان کی آئندہ سیاسی سرگرمیوں کا انحصار ہے۔

میاں نواز شریف کے خلاف دائر ہونے والے اس مقدمہ کی نوعیت اگرچہ بالکل مختلف ہے مگر اس کیس میں اور

پاکستان کے ایک اور سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے مقدمہ میں بہت مماثلت ہے۔

1۔ میاں نواز شریف کی طرح ذوالفقار علی بھٹو بھی جائے وقوعہ سے بہت دور تھے۔

2۔ بھٹو پر الزام تھا کہ انہوں نے ایف ایس ایف کے افسروں کے ساتھ مل کر احمد رضا خان قصوری کے قتل کی سازش تیار کی ہے۔اس مقدمہ میں بھی یہی الزام ہے کہ نواز شریف صاحب نے بھی سول ایوی ایشن اور دیگر حکام سے مل کر سازش تیار کی کہ جنرل پرویز مشرف کے طیارہ کو ایئرپورٹ پر نہ اترنے دیا جائے اور اس طرح جنرل پرویز مشرف کے ساتھ ساتھ جہاز کے عملہ اور دوسرے مسافروں کی جانیں خطرہ میں ڈال دی گئیں۔

3۔بھٹو کی ایف ایس ایف کا ڈائریکٹر جنرل مسعود محمود استغاثہ کا وعدہ معاف گواہ تھا جبکہ اس مقدمہ میں نواز شریف صاحب کا پسندیدہ اعلیٰ سرکاری افسر امین اللہ چودھری استغاثہ کا وعدہ معاف گواہ ہے۔

4۔ جس طرح بھٹو کو عدالت میں جیل سے خصوصی حفاظتی انتظامات میں لایا جاتا تھا۔نواز شریف کے لئے اس سے بھی زیادہ سخت انتظامات کئے جاتے رہے۔

5۔جس طرح بھٹو کے حامیوں کے خلاف اس زمانہ میں فوج کارروائی کررہی تھی اسی طرح پولیس حکام نواز شریف کے حامیوں کے خلاف کارروائیاں کرتی رہی۔

6۔ بھٹو کی سزا کی معافی کے لئے جس طرح دنیا بھر کے سیاسی سربراہوں اور اہم ممالک کی طرف سے جنرل ضیاالحق پر دباؤ ڈالا جارہا تھا بالکل اسی انداز میں نواز شریف کی جان بخشی اور سزا کی معافی کے لئے دنیا بھر کے اہم لوگوں نے درخواستیں کیں۔

عدالت کا فیصلہ

کراچی کی انسداد دہشت گردی عدالت نے سابق وزیراعظم میاں نواز شریف کے چھ ساتھیوں کو بری کردیا اور میاں نواز شریف کو دو دفعہ عمر قید جائیداد کی ضبطی بحق سرکار اور جرمانہ کی سزا دے دی۔عدالت میں ایک طرف بری ہونے والے بھائی اور دوسرے ساتھیوں کی طرف سے خوشی منائی جارہی تھی۔دوسری طرف میاں نواز شریف کے بیوی بچے بیٹیاں اور داماد سزا پر غمزدہ بھی تھے اور اس بات پر خوش بھی کہ انہیں موت کی سزا نہیں ہوئی ابھی سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل ہوچکی ہے۔یہ سارا ایک قانونی اور عدالتی کام ہے۔ہم اس کام کو وکلاء اور ماہرین قانون پر چھوڑتے ہیں۔ہماری کبھی بھی یہ

خواہش نہیں تھی کہ کسی کو سزائے موت ہو۔ ہمیں تو اس بات پر افسوس ہے اور شاید ہمیشہ رہے گا کہ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے پاکستانی قوم نے میاں نواز شریف پر جس طرح دو دفعہ بھروسہ کیا وہ اس بھروسہ کے معیار پر پورے نہیں اترے انہوں نے پاکستانی قوم کی طرف سے کئے گئے اعتماد اور بھروسہ کا جواب نہایت ہی بدمزہ انداز میں دیا۔ انہوں نے ملک و قوم کے سر سے معاشی بوجھ کم کرنے کی بجائے اسے اپنے ساتھیوں سمیت لوٹ مار کا نشانہ بنایا۔ جیسا کہ سپریم کورٹ میں ملک کے اٹارنی جنرل جناب عزیز اے منشی نے تفصیلات پیش کرتے ہوئے کہا کہ فوجی انتظامیہ نے اسمبلیاں اور حکومت اس لئے برخواست کی ہے کہ کابینہ کے ارکان کے علاوہ ملک کے زیادہ تر ارکان پارلیمنٹ نے لوٹ مار شروع کر رکھی تھی۔ اور قومی بینکوں سے اربوں روپے کے قرضے لے کر ادا نہیں کئے جا رہے تھے۔ اس سلسلہ میں اٹارنی جنرل پاکستان نے سپریم کورٹ میں جو بیان دیا ہے وہ من وعن یہ ہے۔ (روزنامہ جنگ چھ مئی 2000ء)

اٹارنی جنرل آف پاکستان عزیز اے منشی نے سپریم کورٹ میں سابق وزیر اعظم نواز شریف اور ان کے خاندان کی کرپشن اور کرپٹ پریکٹس، منی لانڈرنگ کالے دھن کو سفید کرنے اور سرکاری اثر و رسوخ سے ذاتی دولت میں اضافہ کرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایٹمی دھماکوں کے حوالے سے جب نواز حکومت نے غیر ملکی زرمبادلہ فریز کیا تو 11 مئی سے 28 مئی 98ء کے دوران 37 بینکوں سے حکمرانوں نے اپنا 17 کروڑ ڈالر کا زرمبادلہ بیرون ملک منتقل کیا۔ سابق وزیر اعظم نواز شریف براہ راست منی لانڈرنگ میں ملوث ہیں اور بنک آف عمان نے تصدیق کی ہے کہ فارن کرنسی بیئرر سرٹیفکیٹس کے ذریعے سابق حکمرانوں نے رقوم نکلوائیں۔ برطانیہ سمیت کئی غیر ملکی حکومتوں نے پاکستان سے احتجاج کیا ہے۔ نواز شریف اور بے نظیر سمیت معطل پارلیمنٹ کے بیشتر ارکان نے الیکشن کمیشن کے روبرو اپنے اثاثے چھپائے صرف اس ایک اقدام سے ایسے تمام پارلیمنٹرین نااہل ہو جاتے ہیں۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس ارشاد حسن خان کی سربراہی میں 12 ججوں پر مشتمل فل بنچ نے 12 اکتوبر کے فوجی اقدام کے خلاف سات آئینی پٹیشنوں کی سماعت جاری رکھی۔ جمعہ کو اٹارنی جنرل نے نواز شریف خاندان اور نواز شریف حکومت کی کرپشن وغیرہ کی دس ضخیم جلدوں کی تفصیل بیان کی تھی کہ عدالت کا وقت ختم ہونے پر سماعت پیر کی صبح تک کیلئے ملتوی کر دی گئی۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے جمعہ کے روز دلائل شروع کرتے ہوئے وضاحت کی کہ جمعرات کو عدالت کے استفسار پر انہوں نے کہا تھا کہ فوجی اقدام آئین سے ماوریٰ ہے جو خصوصی نوعیت کا ہے جس میں نظریہ ضرورت کا اطلاق کیا گیا۔ اس اقدام پر عدالتی نظر ثانی نہیں ہو سکتی

تاہم چیف ایگزیکٹو کے دیگر تمام اقدامات عدالتی نظرثانی کیلئے کھلے ہیں۔ پی سی او وغیرہ کا اجراء کوئی انتظامی حکم نہیں قانون سازی کے زمرے میں آتا ہے جیسا کہ نصرت بھٹو کیس میں کیا گیا۔ ریاستی ضرورت کے تحت ایمرجنسی کے نفاذ کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اٹارنی جنرل نے دوٹوک الفاظ میں اپنے گزشتہ روز کے دلائل کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں احتساب' اصلاحات اور نظام کی صفائی کے بعد جتنی جلدی ممکن ہوا الیکشن کروا دیئے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ طیارہ سازش کیس اور دہشت گردی کا مقدمہ اپنی جگہ الیکشن کمیشن کے روبرو اثاثوں کے بارے میں غلط بیانی ہی انہیں نااہل قرار دینے کیلئے کافی ہے۔ کرپشن بینک ڈیفالٹ کے ریفرنس عدالتوں میں بھیجے جا رہے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے عدالت کو بتایا کہ اب تک 79 افراد کے خلاف کرپشن کے ریفرنس احتساب عدالتوں میں موجود ہیں ان میں ملک اللہ یار' میاں منیر احمد' انور سیف اللہ' غلام سرور کاکڑ' نوید قمر' فاروق ستار' میاں منظور احمد وٹو' آغا سراج درانی' حبیب الرحمان تنولی' نواز شریف' سیف الرحمان' عبدالستار ڈیرو' نواز ملک' لطیف اللہ تالپور' سردار مہتاب' جاوید عالم خانزادہ' جام معشوق علی' عثمان فاروقی' عبداللہ شاہ' بے نظیر بھٹو' ظہور حسین' خالد احمد خان کھرل' حاکم علی زرداری' آصف علی زرداری اور کرپشن میں ملوث دیگر افراد شامل ہیں جب کہ تقریباً دوسو کیس تیاری کے مختلف مراحل میں ہیں اٹارنی جنرل نے عدالت کو بتایا کہ جن سیاستدانوں نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے کسی اجازت کے بغیر اپنے فارن کرنسی اکاؤنٹس سے رقوم نکلوائیں، ٹیکس نہیں دیا ان میں سیف الرحمان' چودھری شجاعت حسین' چودھری نثار علی خان' تہمینہ دولتانہ' سید ظفر علی شاہ' جہانگیر بدر' میاں اعجاز شفیع' اعظم ہوتی' فضل الٰہی' نصیر اللہ بابر' سرتاج عزیز' حبیب اللہ کنڈی' آفتاب شعبان میرانی خواجہ آصف' مراز خان بھٹی' غلام احمد بلور' سید عبداللہ شاہ' رانا تنویر احمد خان' رانا مقبول' افضل حسین تارڑ' فتح علی خان' حاجی عبدالرحمان خان' آفتاب احمد خان شیرپاؤ' صابر شاہ' چودھری شیر علی' ہمایوں سیف اللہ' ارباب سیف الرحمان'' خورشید الزمان' سلیم سیف اللہ' جاوید پراچہ' اصغر علی شاہ' فہمیدہ مرزا' کرشن چندر' مخدوم امین فہیم' اور عبدالحلیم خان قصوری وغیرہ شامل ہیں' جبکہ دوسو کیس پائپ لائن میں ہیں۔ انہوں نے عدالت میں ارکان پارلیمینٹ کی ایک فہرست پیش کی جنہوں نے قانون کے مطابق الیکشن کمیشن کو اپنے اثاثے ظاہر کرنے کیلئے جو گوشوارے دیئے وہ غلط اور اصل اثاثوں سے کہیں کم ہیں۔ سابق وزیراعظم نواز شریف نے الیکشن کمیشن کے روبرو جو اثاثے ظاہر کئے انکم ٹیکس حکام سے وہ بھی چھپائے ہیں۔ الیکشن کمیشن کے سامنے انہوں نے صرف 4211 روپے کا انکم ٹیکس ظاہر کیا۔ ایسے پارلیمنٹرین جنہوں نے اثاثے چھپائے میں جنرل مجید ملک' چودھری نثار، ہمایوں اختر، انور سیف

اللہ، تہمینہ دولتانہ، چودھری تنویر، ذوالفقار علی مرزا، بے نظیر بھٹو، مہتاب عباسی، میر خان محمد جمالی، آفتاب شیر پاؤ، ناہید خان، نوید قمر، چودھری احمد مختار، اصغر علی شاہ، اسلام الدین شیخ، لیاقت جتوئی، عبدالحمید جتوئی، بشارت راجہ، پیر صابر شاہ، ہمایوں سیف اللہ، ارباب سیف، روفن جولیس، کشن چند پراوانی، غوث علی شاہ، نصرت بھٹو، خورشید شاہ، سلیم سیف اللہ، جاوید ابراہیم پراچہ، الٰہی بخش سومرو، ڈاکٹر فہمیدہ مرزا، عارف نکئی، حاجی غلام احمد بلور، مشاہد حسین، سیف الرحمٰن، آفتاب شعبان میرانی، انور علی چیمہ، خواجہ آصف، قائم علی شاہ، نواز کھوکھر، اعظم ہوتی، چودھری شجاعت، چودھری پرویز الٰہی، جہانگیر بدر، تہمینہ دولتانہ، اعجاز شفیع، سید ظفر علی شاہ، بشیر بلور، ارباب جہانگیر، مخدوم امین فہیم، یوسف تالپور اور غلام سرور چیمہ شامل ہیں۔ عدالت میں سید ظفر علی شاہ ایڈووکیٹ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اعتراض کیا تو اٹارنی جنرل نے ان کے تمام اثاثوں کی تفصیل عدالت میں بیان کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے ویلتھ ٹیکس کا گوشوارہ نہیں دیا حالانکہ ایک کروڑ روپے کا مکان اور دیگر اثاثے موجود تھے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ارکان پارلیمینٹ نے غلط گوشوارے دیئے۔ وہ قانونی اور اخلاقی طور پر ممبر برقرار رہنے کا جواز نہیں رکھتے۔ انہوں نے عوامی اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ عدالت ان پٹیشنوں کا فیصلہ کرتے ہوئے کرپشن اور کرپٹ پریکٹس کو بھی سامنے رکھے۔ انہوں نے ہزار سے زائد افراد کی 63 صفحات پر مبنی فہرست پیش کرتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ نواز حکومت نے ججوں، بیوروکریٹس، سیاستدانوں، صحافیوں اور اپنے بعض وزراء تک کے بھی ٹیلی فون ٹیپ کئے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق اس الزام میں بھی نا اہل پاتے ہیں۔ جن لوگوں کے ٹیلی فون ٹیپ کئے جاتے رہے ان میں موجودہ چیف جسٹس ارشاد حسن خان، رفیق ظفر، خوشنود علی خان، ، ایاز گل، شیری مزاری، ، راجہ اصغر، طاہر اکرم، عبدالحفیظ پیرزادہ، جبکو، رحمان ملک، فاروق نائیک، تنویر احمد خان، سابق صدر فاروق لغاری، قانون دان ایس ایم ظفر، عالمی بینک کے عابد حسین اور صادق احمد، عبدالحسن موسوی، سردار اسد حیات خان، رجسٹرار ایم اے فاروقی، ارشاد حقانی، مولانا محمد عبداللہ، مولانا ریاض نقوی، سینٹر عابد حسین حسینی، مرزا ضیاء الدین تیمور، اردشیر کاؤس جی، شیخ لیاقت، عمران خان، نوابزادہ نصر اللہ، آصف زرداری، محترمہ بے نظیر، الطاف حسین، عمران فاروق، نسرین جلیل، طارق جاوید، بابر اعوان، چودھری نثار علی، آغا مرتضٰی پویا، ایم اے لطیف، چودھری احمد مختا، چودھری اعتزاز احسن، افتخار گیلانی، ڈاکٹر صفدر عباسی، ہمایوں گوہر، ڈاکٹر جہانگیر اختر، فاطمہ کاظمی، لیسلے خان، راجہ نادر پرویز، لیفٹیننٹ (ر) طلعت مسعود، ناہید خان، پیپلز سیکرٹریٹ، جگنو محسن، نجم سیٹھی، صدر الدین ہاشوانی، حامد میر، سلمان تاثیر، سرانجام خان، ملک اللہ یار، اسفند یار ولی، زاہد

خان،، رعنا شیخ، اجمل خٹک، شیریں مزاری، ڈاکٹر ملیحہ لودھی، شکیل شیخ، نصرت جاوید، عروسہ عالم، کبیر علی واسطی، عابدہ حسین، آفتاب شیر پاؤ، غیر ملکی خبر رساں ایجنسیاں، صالح ظافر، ظفر عباس اور روزنامہ جنگ کے ٹیلی فون شامل تھے۔ انہوں نے کہا کہ بعض ٹیلی فون سابق احتساب بیورو کے سربراہ سیف الرحمن کے حکم پر ٹیپ کئے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ سابق وزیراعظم نواز شریف کی دولت کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہوس دولت کی کوئی حد نہیں۔ رائے ونڈ سٹیٹ 1464 ایکڑ اراضی پر قائم ہے جس کی تعمیر میں سرکاری وسائل استعمال کئے گئے۔ ان کی جائیداد لاہور، شیخوپورہ، قصور، مری اور بیرون ملک ہے۔ قصور کی جائیداد بڑی اہم ہے۔ میاں شریف خاندان نے لوگوں سے اونے پونے اراضی خریدی پھر اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے اسے انڈسٹریل سٹیٹ بنایا اور ٹیکس فری کر دیا۔ اس کھیل میں انہوں نے دوسو کروڑ بنائے۔ مسٹر جسٹس عبدالرحمن نے کہا کہ نواز شریف کی پہلی حکومت ختم کی گئی تو کرپشن کے یہی الزام تھے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ دوسری مرتبہ بھی حکومت میں انہوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا اور کرپشن پروگرام کو آگے بڑھایا۔ جس شخص کے پاس تین سو کروڑ ہوں اور وہ نو دس ہزار انکم ٹیکس ادا کرتا ہو اور اپنے تمام اثاثے چھپاتا ہو ایسے شخص کو اقتدار میں کیسے برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ وہائٹ کالر کرائم ہے جسے ثابت کرنے کیلئے وقت درکار ہے۔ ہم کرپشن کو بے نقاب کرنا چاہتے ہیں تاکہ عوام کو حقائق معلوم ہو سکیں۔ انہوں نے عدالت کو بتایا کہ نواز شریف اور ان کے خاندان کے 20 ارب روپے کا اثاثے ہیں۔ انہوں نے تین سال میں 5 ارب 68 کروڑ روپے بیرون ملک بھجوائے۔ شریف خاندان نے اثر و رسوخ سے ملک کے 31 بینکوں اور مالیاتی اداروں سے قرضے لئے۔ یہ قرضے 1983ء میں 35 کروڑ تھے آج یہ قرضے بڑھ کر ایک ہزار کروڑ ہو چکے ہیں۔ یہ قرضے سرکاری اثر و رسوخ سے لئے جن کی وجہ سے بینک ڈوبے اور ملکی معیشت تباہ ہوئی۔ انہوں نے ایک سال صرف 897 روپے انکم ٹیکس ادا کیا جن سرکاری اہلکاروں نے ان کے انکم ٹیکس کا تخمینہ لگایا انہیں ملازمتوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ سابق وزیراعظم منی لانڈرنگ میں ملوث رہے۔ بیرون ملک متعدد حکومتوں نے پاکستان سے سخت احتجاج کیا ہے یہ مسلسل دولت بیرون ملک منتقل کرتے رہے۔ سرحد میں ان کے مخصوص ڈیلر تھے ہنڈی کے ذریعے دولت باہر منتقل کی جاتی رہی۔ ایک طرف 1175 ملین ڈالر کی منی لانڈرنگ اور دوسری طرف 897 روپے انکم ٹیکس یہ ہمارے ملک کے وزیراعظم تھے۔ 13 کروڑ عوام کا نمائندہ ایسے گھناؤنے جرائم میں ملوث ہو اس پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ عدالت یہ باتیں پیش نظر رکھے۔ انہوں نے کہا کہ مختلف ملکوں نے منی لانڈرنگ کے بارے میں جو شکایات کی

ہیں عدالت میں بیان نہیں کی سکتیں۔ 1992ء میں انہوں نے اپنا کالا دھن سفید کیا۔ واشنگٹن میں شیخ سعید جو پہلے ایمبیسی میں ایک کلرک تھا سے مل کر گندم کا کاروبار کیا۔ بے نامی اکاؤنٹس کھولے قرضے لئے۔ مسٹر جسٹس عبدالرحمن نے استفسار کیا کہ جو الزامات یہاں لگائے جا رہے ہیں اس حوالے سے کیا نواز شریف کے خلاف ریفرنس بھی تیار کئے گئے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ تیزی سے ریفرنس تیار ہو رہے ہیں۔

بے نظیر بھٹو۔ دو دفعہ پاکستان کی وزیراعظم رہیں۔ ان کے والد پاکستان کے صدر اور وزیراعظم رہے اس سے قبل وہ فیلڈ مارشل ایوب خان کی کابینہ میں متعدد محکموں کے علاوہ وزیر خارجہ بھی رہے۔ ایسے نامور اور مقبول سیاسی راہنما کی بیٹی نے اپنے باپ کی مقبولیت سے کس قدر غلط فائدہ اٹھایا، اس کا اندازہ اس بیان سے ہوسکتا ہے جو پاکستان کے اٹارنی جنرل نے عدالت میں دیا اور ہم نے اسے من وعن اوپر درج کر دیا۔ بے نظیر اور نواز شریف کے ساتھیوں کے بارے میں پاکستانی حکام کے یہ بیانات جو کہ اعلیٰ عدالتوں میں دیئے گئے اور ساری دنیا میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ان کو پڑھنے کے بعد بیرون ملک بیٹھے پاکستانیوں کے دلوں پر کیا کیفیت طاری ہوگی۔ کیونکہ جو لوگ بیرون ملک کام کرتے ہیں انہیں ہی اس بات کا علم ہوسکتا ہے کہ ان کی عزت واحترام میزبان ملک میں کیا باقی رہ گیا ہوگا۔ کم از کم میں تو ایسے بیان اخبارات، ٹیلی ویژن پر آنے کے بعد کئی دن جاپانی دوست احباب سے ملنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔ جب نواز شریف برسر اقتدار آئے تھے۔ تو بے نظیر اقتدار سے باہر ہوگئیں۔ عوام نے بھی شکر ادا کیا کہ کسی عورت لیڈر سے جان چھوٹی۔ خاص طور پر مذہبی راہنماؤں نے، کہ عورت کی حکمرانی ختم ہوئی عوام کی توقعات کچھ اور تھیں کہ نواز شریف طویل عرصہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ، اس کے بعد تین برس تک وزیراعظم رہے ہیں۔ ان کے پاس پہلے بھی بے پناہ دولت تھی اور انہوں نے مزید دولت بھی خوب کمائی تھی۔ اب اگر وہ اقتدار میں آئیں گے تو عوام کی بہبود کے لئے کام کریں گے۔ وہ صنعت کار ہیں ملک کی صنعتوں کو ترقی دیں گے، مگر نواز شریف اپنے نام کے برعکس ثابت ہوئے۔ انہوں نے شرافت کا نظام اور نظریہ پاکستان چھوڑ کر اپنا ایک ذاتی نظام بنانے کوشش کی۔ اگر وہ نظریہ پاکستان کے پہلے مستون ''ایمان'' کی بنیاد کو نہ ہلا دیتے تو شاید اتنی خرابی پیدا نہ ہوتی، لیکن انہوں نے تو پہلے والی حکومتوں سے بھی بدتر رویہ اختیار کیا ایمان کی جڑیں تک ہلا دیں۔ میاں نواز شریف صاحب کا نظام خودغرضی، ایگوازم اور محض ذاتی مفادات پر مبنی تھا۔

پرویز مشرف۔۔۔ بھولا راستہ دکھا رہے ہیں

ایسے حالات میں جب ملک کے معروف ومقبول سیاستدانوں کا یہ حال ہو جو کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تو ایمان صرف پاک فوج میں نظر آتا ہے اور اگر ایمان کی علامات فوج میں بھی نہ ہوں تو وہ پاک فوج ہی نہیں رہتی کیونکہ ہماری فوج کا پہلا سبق ہی یہ ہوتا ہے کہ ایمان کی بنیاد پر ملک وقوم کی حفاظت اور خدمت۔ اس لئے خواہ جان بھی دینا پڑے تو کوئی فوجی افسر ہو یا جوان گریز نہیں کرتے۔ ایسے حالات میں جو کہ 12 اکتوبر 1999ء سے قبل ہو چکے تھے۔ فوری طور پر موثر فوجی اقدام ضروری تھا، یہ ملک وقوم کی ضرورت تھی، اور یہ بہت اچھا ہوا کم از کم پاکستانی قوم نے اس کا بہت خوش دلی سے استقبال کیا۔ ساری دنیا اس بات پر حیران تھی کہ پاکستان میں جمہوری نظام کے ختم ہونے پر اور ایسے بھاری مینڈیٹ کی حامل حکومت ختم ہو جانے پر کہیں احتجاج نہیں ہوا۔ کہیں سڑکوں پر کوئی جلوس نہیں نکلا۔ لوگ اس بات پر خوش ہوئے کہ بدعنوان حکومت ختم ہوئی۔ جمہوریت کا جو سبق عوام کو ملا وہ بہت مہنگا اور تلخ تھا۔ اس سبق کی فیس عوام کو بہت ہی زیادہ ادا کرنا پڑی۔ مگر یہ ایک اچھا سبق ہے جو سکولوں اور یونیورسٹیوں میں نہیں پڑھایا جاتا۔ میں یہاں جاپان میں قالینوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ کبھی کبھی کوئی پارٹی بہت بڑا دھوکہ بھی دے جاتی ہے۔ کافی نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ میں جب اس نقصان پر غمزدہ ہو جاتا ہوں تو میری بیوی نے ہمیشہ مجھے حوصلہ دیا اور کہا ''پارٹنر'' اسے ایک اچھا سبق خیال کرو اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو کہ بہت تھوڑی قیمت میں اتنا شاندار سبق مل گیا۔ اپنی سوچ کو ہمیشہ مثبت اور تعمیری بنیادوں پر قائم رکھو' اور میں اپنی بیوی کے اس فلسفہ کی نظر سے بھی پاکستان کے عوام کو مشورہ دیتا ہوں کہ پاکستان کا بے پناہ سرمایہ ان سیاسی لیڈروں نے ہضم کرنے کی کوشش کی ہے کچھ کے اعداد وشمار تو مل گئے بہت سے اعداد وشمار بعد میں سامنے آتے رہیں گے۔ جن لوگوں نے بھی پاکستانی دولت کو لوٹا ہے۔ یہ انہیں ہضم نہیں ہو سکے گا کیونکہ یہ پاکستان کے غریب اور محنت کش عوام کا پیسہ ہے اس ساری خرابی کو دور کرنے کے لئے پوری قوم کو فوجی حکومت کی صورت میں کڑوی دوا دی جا رہی ہے اسے کھا کر اس کے اثرات کو دیکھنا اور سمجھنا چاہیئے۔ اس قسم کی بیماریوں کے لئے دوا ایسے ہی سخت کڑوی اور تلخ ہوتی ہے۔ قوم کو زیادہ فکرمند نہیں ہونا چاہیئے بس آہستہ آہستہ برآمد ہونے والے نتائج دیکھنا چاہئیں۔ غلط کھانا کھانے سے کبھی اچھی صحت نہیں بن سکتی۔ غلط ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت سے کبھی کوئی باعزت دولت مند نہیں بن سکتا۔ چور ہمیشہ چور ہی رہتا ہے۔ جتنا زیادہ غلط کھانا پیٹ میں ڈالا جائے گا اتنی پیچیدہ اور خطرناک بیماری لاحق ہوگی۔ یہ قانون قدرت ہے۔

ایسی صورت حال میں جہاں آج پاکستانی فوج اور محبِّ وطن دانشور اس سوچ بچار میں مصروف ہیں کہ اپنے وطن

عزیز پیارے پاکستان کے لئے کیا اور کیسا نظام حکومت اپنانا چاہئے۔ یہاں میں جو بھی خیالات ظاہر کرنا چاہوں تو اس سے میرا مقصد ہرگز یہ مقصد نہیں کہ آپ لوگ میرے خیالات سے اتفاق کریں اور مجھے ووٹ دیں۔ اور اپنا لیڈر بنالیں۔

ہم تو ٹھہرے پردیسی ---۔ پیار کیا نبھائیں گے۔

ہم تو جاپان میں بیٹھے ہیں وطن سے محبت اور اسکے معاملات میں فکرمندی ہی ہمارا کام ہے۔ ہم الیکشن لڑنے یا حکمرانوں میں شامل ہونے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ میرا سچا اور واحد لیڈر تو اللہ تعالیٰ ہے۔ جو مجھے ہمیشہ کھینچ کر اچھے راستہ پر ڈال دیتا ہے کیونکہ میں نے اپنے ایمان کے مطابق اسکی رسی کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ بچہ اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر چلے تو کبھی گم نہیں ہوگا۔ کوئی ماں باپ کبھی یہ نہیں چاہتی کہ ان کی اولاد گمراہ ہو جائے۔ انگلی چھوڑ کر کہیں گم ہو جائے اور اگر ایسا ہو جائے تو کون ماں باپ ہوں گے جو پاگلوں کی طرح اپنے بچے کی تلاش میں مارے مارے نہ پھریں۔

میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تلاش میں مکہ معظّمہ جاتے ہیں زیارتوں پر نکل جاتے ہیں امیروں فقیروں سے دعائیں کرواتے ہیں لیکن میری سوچ اور وجدان کہتا ہے کہ ہمارا خدا ہمارا اللہ تعالیٰ ہمیں ڈھونڈ رہا ہے اور آواز دے رہا ہے کہ اے پاکستان کے مسلمانوں آؤ کہاں کھو گئے ہو۔ تم نے مجھے کہا تھا کہ پاکستانی قوم کو پاکستان چاہئے۔ اب اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے پاکستان کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ اسے مستحکم کرنے کی بجائے خود ہی اس کی جڑیں چبا چبا کر اسے ناکارہ بنا رہے ہو۔ حالانکہ میں نے اس خطہ اراضی میں بے شمار غلہ گندم، چاول دالیں او ہر قسم کا پھل پیدا کرنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ آؤ ایک معزز قوم کی حیثیت سے رہنے کو باعزت اور باوقار بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کو میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں وہ کسی بے تاب اور بہت ہی محبت کرنے والی ماں کی طرح دروازے میں کھڑے ہو کر ہمیں پکار رہا ہے۔ ہماری واپسی کا دروازہ کھلا ہے مگر ہم اپنے ملک اور اپنے اللہ کی پکار سن کر اس ملک میں ایک قوم کی حیثیت سے کب داخل ہوں گے۔ اس کا ہمیں بھی کوئی پتہ نہیں ہے۔ ہمیں ہمارا پروردگار ڈھونڈ رہا ہے۔ مگر ہم کہاں ہیں۔ کیا کر رہے ہیں۔ کب گھر واپس جائیں گے۔ کبھی کبھار مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرے ہم وطن اپنے ملک میں رہتے ہوئے بھی بے گھر ہو چکے ہیں۔ ان کے قلب و ذہن سے وطن اپنے گھر اور اپنے ملک کا تصور ختم ہو چکا ہے جو کہ بے حد خطرناک علامت ہے۔

جناب جنرل پرویز مشرف اور ان کے ساتھی شاید ہمیں ہمارا بھولا ہوا راستہ دکھانے کے لئے آئے ہیں۔ کم از کم ان کے رویہ سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ پوری کوشش کر رہے ہیں کہ پاکستان کے بگڑے ہوئے حالات اور پریشان

لوگوں کو اطمینان اور سکون مل جائے۔ کاش ہمارے پاکستانی بھائی کبھی ان غریب فلسطینیوں کی حالت زار پر غور کریں۔ جنہوں نے اپنی ہی غلطی سے اپنا وطن کھو دیا تھا، اور اس کے بعد آج تک دنیا بھر میں ذلت و خواری کاٹ رہے ہیں اور آج ان کو اپنا ہی وطن ڈبل روٹی کے ٹکڑوں کی طرح مل رہا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے کس قدر قربانیاں دیں۔ اسکا اندازا باون برس کی تاریخ دیکھ کر بھی ہوسکتا ہے۔ کیا ہمارے پاکستانی بھائیوں کو وطن کی اہمیت کا اندازہ فلسطینیوں کے تجربات کو دیکھ کر نہیں ہوسکتا۔ خدا نہ کرے کہ ہمارا وطن اس طرح کھو جائے او پھر ہمیں بھی اس طرح ملے جس طرح فلسطین میں ہو رہا ہے۔

اہل پاکستان۔۔۔۔۔۔۔ نیا پاکستان تعمیر کریں

میں ایک عام پاکستانی شہری ہوں، کوئی فلاسفر، مفکر، سیاستدان یا انتخابی امیدوار نہیں ہوں۔ نیا پاکستان بنانے کا جو میرا خیال سوچ یا خواب ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کی تعمیر نو کے لئے ہمیں کسی نئے نظام، نئے فلسفہ کی ضرورت نہیں پرانا جو بھی نظام تھا وہ بھی بے کار نہیں بلکہ ہم نے آج تک ان سب کو دیانت داری سے استعمال ہی نہیں کیا۔ نظریہ پاکستان کہاں ہے؟ ہم نے اس پر عمل بھی کب کیا۔ نظریہ پاکستان 21 ویں صدی میں بھی اتنا ہی نیا ہے جیسا کہ 1947ء میں تھا۔ ہمارا یہ سوفٹ سسٹم آئندہ ایک ہزار سال میں بھی پرانا نہیں ہوگا۔ ذرا اس نظام کو آزما کر تو دیکھیں۔ یہ ہمیشہ نیا اور قابل عمل و استعمال ہی رہے گا۔ اعلیٰ سوچ اور سچے خواب کبھی پرانے نہیں ہوتے او نہ ہی کبھی ان کی اہمیت کم ہوسکتی ہے ماں، باپ، یا دادی، دادا، نانی، نانا بوڑھے ہوں تو کبھی کوئی انہیں کچرہ کے ڈبہ میں نہیں ڈال دیتا۔ اس ماڈرن دور میں بھی پرانی قدریں اخلاق اور سوچیں اسی طرح اہم ہیں جیسی کہ برسوں پہلے اور میرا یہ یقین واثق ہے کہ نظریہ پاکستان پر حقیقی عمل ہی 21 ویں صدی کا نیا پاکستان تعمیر کرسکتا ہے۔ میں کمپیوٹر کی مثال دونگا کہ اگر ونڈو 95 نہ ہوتا تو اسے اپ گریڈ کرکے ونڈو 98 کبھی نہ کیا جا سکتا اور ونڈو 98 کو ونڈو 2000 بھی کبھی نہ بنایا جا سکتا۔ پرانے نظام کو ساتھ لے کر چلیں تو بہت ایجادات ہوسکتی ہیں۔ نظریہ پاکستان کو پھینک کر نہیں۔ بلکہ اسے اپ گریڈ کر کے ہم 21 ویں صدی میں بڑے فخر سے داخل ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اب انٹرنیشنل پاکستانی بننے کی ضرورت ہے۔ ہمارا جو وقت گزر گیا۔ اس کے نتیجہ میں جو تجربات حاصل ہوئے ہیں انہیں پیش نظر رکھا جائے اور ان تجربات کی روشنی میں بابائے قوم کے فرمان کے مطابق